المجالس الفقهیه

پانچویں فقہی کانفرنس کے حوالے سے چند گزارشات

از: مولانا زاهد الراشدی

پشاور میں منعقد ہونے والی پانچویں فقہی کانفرنس کی رپورٹ اس وقت میرے سامنے ہے یہ کانفرنس جامعہ المرکز الاسلامی بنوں کے زیر اہتمام اوقاف ہال پشاور میں منعقد ہوئی جس میں ''جدید سائنسی انکشافات اور متعلقہ فقہی مسائل'' کے موضوع پر ممتاز ارباب علم و دانش نے مقالات پڑھے اور ان کے علاوہ جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کے امیر حضرت مولانا فضل الرحمٰن اور صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ اکرم خان درانی کے فکر انگیز خطابات ہوئے۔ مجھے بھی اس کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی تھی اور حاضری کے لئے تیار بھی تھا مگر عین وقت پر طبیعت ناساز ہونے کی وجہ سے اس سعادت سے محروم رہا، یہ سوء اتفاق کی بات ہے کہ المرکز الاسلامی بنوں کے سربراہ اور فقہی کانفرنس کے منتظم مولانا سید نصیب علی شاہ (ایم این اے) نے اب تک ہونے والی ہر فقہی کانفرنس میں مجھے شرکت کی دعوت دی مگر میں کسی کانفرنس میں بھی شریک نہ ہو سکا البتہ ہماری طرف سے الشریعۃ اکیڈمی گوجرانوالہ میں ہمارے رفیق کار پروفیسر حافظ منیر احمد نے بعض کانفرنسوں میں شرکت کی ہے۔

مولانا سید نصیب علی شاہ ملک بھر کے دینی و علمی حلقوں کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ وہ ان سب کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر رہے ہیں۔ اور اس وقت جو سب سے اہم مسئلہ آج کے علمی حلقوں میں زیر بحث ہے اس کے حوالہ سے پیش رفت میں مصروف ہیں وہ یہ کہ علماء کرام اور مفتیانِ کرام کو روایتی موضوعات اور دائرہ کار سے ہٹ کر ان مسائل کی طرف بھی توجہ دینی چاہئے جو سائنس، ٹیکنالوجی اور اس کے جلو میں آنے والے مغربی فلسفہ نے انسانی معاشرت کے لئے پیدا کر دیئے ہیں اور جن کا کوئی واضح حل سامنے نہ آنے کی وجہ سے نئی نسل مختلف النوع شکوک و شبہات کا شکار ہو رہی ہے، سائنس و ٹیکنالوجی اور مغربی فلسفہ و ثقافت کے فروغ نے مسلم معاشرہ کو بے شمار مسائل سے دوچار کر دیا ہے بہت سے معاملات میں انسانی معاشرہ کو اس سے سہولتیں حاصل ہوتی رہیں اور زندگی کے متعدد پہلو آسانیوں سے بہرہ ور ہوئے ہیں لیکن اعتقادی اور اخلاقی طور پر بہت سی الجھنوں نے بھی جنم لیا اور عقلی اعتراضات اور شکوک و شبہات کے ایک نئے جال نے ذهنوں کے گرد حصار قائم کر لیا ہے عقائد اور ان کی تعبیر و تشریح کے حوالہ سے کئی نئے سوال اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ان فقہی احکام و مسائل کے کئی نئے رخ سامنے آئے ہیں اور معاملات و اخلاقیات کے روایتی ڈھانچے بھی مسلسل زلزلوں کی زد میں دکھائی دے رہے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل کراچی میں ہمارے بعض اکابر نے جدید فقہی مسائل کے جائزہ کے لئے ''مجلس عمل'' قائم کی تھی اور ایک تحقیقی مجلس وجود میں آئی تھی جس میں فقیہہ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ اور حضرت مولانا محمد طاسینؒ جیسے بزرگ ان مسائل کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور عملی زندگی میں پیش آنے والے جدید مسائل کا

فقہی حل پیش کر کے امت کے رہنمائی فرمایا کرتے تھے۔ مگر اب ان مجالس کی کوئی سرگرمی سامنے نہیں آرہی البتہ بھارت میں حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی قائم کردہ فقہ اکیڈمی اور مجلس فقہی نے بہت کام کیا ہے اور جو علمی و تحقیقی کام ہمارے ہاں پاکستان میں ہونا چاہئے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے وہ کام بھارت کے علماء سے لیا ہے جس کا تسلسل جاری ہے اور بھارت کے متعدد اداروں کی علمی و تحقیقی پیش رفت پورے جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کے لئے علمی و فکری رہنمائی اور جدید مسائل کے حل کا ذریعہ ثابت ہوئی ہے۔ اس پس منظر میں مولانا سید نصیب علی شاہ الہاشمی اور جامعہ المرکز الاسلامی بنوں کی یہ کاوش دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے اور دل سے ان کے لئے دعا نکلتی ہے کہ جو کام کراچی، لاہور اور اسلام آباد کے کرنے کا تھا وہ دور دراز کے ایک پسماندہ شہر بنوں میں ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبولیت سے نوازیں اور مسلسل پیش رفت اور کامیابی سے ہمکنار فرمائیں، آمین یارب العالمین، مگر جامعہ المرکز الاسلامی بنوں کے اس وقیع کام کی افادیت و اہمیت اور اثر انگیزی کے تمام تر اعتراضات کے باوجود دو حوالوں سے اپنے تحفظات کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں اس خیال سے کہ اگر حالات و ظروف اجازت دیں تو مولانا سید نصیب علی شاہ الہاشمی اپنے پروگرام کا حصہ بنا سکیں یا کسی اور صاحب عزم و ہمت کے دل میں یہ بات آجائے تو وہ اس کام کا بیڑہ اٹھالیں۔

ایک بات یہ ہے کہ جدید مسائل کا تعلق صرف فقہی حدود اور دائرہ کار سے نہیں ہے بلکہ مغربی فلسفہ و نظام اور سائنس و ٹیکنالوجی کے پیدا کردہ مسائل میں سے بیشتر کا تعلق فکر و عقیدہ کے امور سے ہے اور نئی نسل کے ذہنوں میں فکری اعتراضات اور اعتقادی شبہات نے جو دھما چوکڑی مچا رکھی ہے اس نے فکری ارتداد کی سرحدات کو نئی پود کے ذہنوں کے بہت قریب کر دیا ہے کسی دوست نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے مقالہ "ردة ولا أبابكر لها" (وہ ارتداد جس کے لئے کوئی ابوبکرؓ موجود نہیں ہے) کا مطالعہ کیا ہے تو وہ اس گزارش کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ پائے گا ورنہ ہر طالب علم کے لئے میرا مشورہ ہوتا ہے کہ وہ آج کی فکری کشمکش کو سمجھنے کے لئے اس مقالہ کا ضرور مطالعہ کرے کیونکہ مغربی فلسفہ و ثقافت نے جو اعتقادی اور فکری مسائل کھڑے کر دیئے ہیں ان کے بارے میں جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کو شعوری طور پر مطمئن کئے بغیر ان سے اسلامی احکام و قوانین پر پوری طرح عمل کی توقع نہیں کی جا سکتی حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ ہی کے حوالہ سے ایک دوست نے مجھے بتایا کہ برطانیہ میں مسلمان بچوں کے لئے شام کا ایک مکتب دیکھ کر انہوں نے فرمایا انہیں نماز روزے کے مسائل ضرور رٹاؤ مگر اس کا فائدہ اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک ان کے دل و دماغ میں اللہ کی عظمت اور دین کی اہمیت نہیں ہوگی اس لئے پہلے انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے میں بتاؤ اور آخرت کا تصور ان کے ذہنوں میں پختہ کرو پھر نماز روزے کے مسائل کی تعلیم دو ورنہ خالی مسائل رٹنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ تبلیغی جماعت کے دوست اسی ذہن کے ساتھ کام کر رہے ہیں جو عام ذہنی سطح کے لئے مفید اور موثر بھی ہے لیکن ذہن و فکر کی وہ سطح جو شعور اور استدلال اور منطق و برہان کے ذریعہ بات سمجھنے کی عادی ہے اس کے لئے یہ کافی نہیں ہے اور اسے بہر حال عقل و شعور اور منطق و استدلال کے ساتھ ہی مخاطب کرنا ہوگا۔ میں ایک عرصہ سے چیخ و پکار میں مصروف ہوں کہ انسانی حقوق کا مغربی فلسفہ اور اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا چارٹر مسلمانوں کے علمی و دینی مراکز

کی سنجیدہ توجہ کا مستحق ہے اوراس کے حوالہ سے جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کے ذہنوں میں پائے جانے والے شکوک وشبہات کا ازالہ ضروری ہے جو سطحی اور سرسری کام سے نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کے لئے اسی درجہ کی علمی اور تحقیق کاوش کی ضرورت ہے جس طرح کی محنت پاکستان میں فقہی مسائل کے لئے جامعہ المرکز الاسلامی بنوں کررہا ہے جب تک ذہنوں سے شکوک وشبہات کے کانٹے نہیں نکلیں گے اور جب تک علمی اور منطقی استدلال کے ساتھ مغرب کے فلسفہ پر اسلام کی برتری کا عمومی سطح پر اظہار نہیں ہوگا مغربی ثقافت کی یلغار کا راستہ روکنا ممکن نہیں ہوگا۔اس سلسلے میں میرے ذہن میں پائی جانے والی دوسری الجھن یہ ہے کہ ہم نے کم وبیش حتمی طور پر یہ طے کرلیا ہے کہ علم وتحقیق کا ہر کام ہم نے دیوبندیت ہی کے حوالے سے کرنا ہے اور مسلکی دائرہ سے باہر دیکھنے کی کبھی زحمت گوارہ نہیں کرتی۔ میرے نزدیک یہ طریق کار درست نہیں ہے اور پاکستان کے معروضی حقائق اور حالات سے مطابق نہیں رکھتا اس حوالہ سے میرے ذہن کی سوئی تمام مکاتب فکر کے 31 سرکردہ علماء کرام کے 22 دستوری نکات پر اٹکی ہوئی ہے اوراس سے آگے چلنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ پاکستان کے معروضی حقائق وحالات اور تیزی سے بڑھتی ہوئی فکری اور تہذیبی کشمکش کو سامنے رکھتے ہوئے ملی نوعیت کے علمی وتحقیقی کام کے لئے وہی طریق کار زیادہ موزوں ہے جو اب سے نصف صدی قبل ہمارے اکابر نے اختیار کیا تھا اور الگ الگ مسلکی دائروں میں کام کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے اجتماعی اظہار کے لئے مشترکہ کاوش کو بھی ضروری خیال کیا تھا۔

میں مسلکی دائروں میں علمی وتحقیقی کام کی ضرورت وافادیت کا قائل ہوں اوراس میں مزید ترقی اور پیش رفت کا خواہاں ہوں مگر اس کے ساتھ ہی ہمیں کسی ایسی غیر سیاسی اور غیر سرکاری علمی فورم کی بھی اشد ضرورت ہے جہاں مشترکہ ملی مسائل پر مختلف مکاتب فکر کے جید علماء مل بیٹھ کر بحث ومباحثہ کرسکیں اور کسی مسئلہ پر اگر وہ 22 دستوری نکات کی طرح حتمی نتیجے پر پہنچ جائیں تو قوم کے سامنے اس کا مشترکہ طور پر اظہار بھی کریں۔

بہرحال ان گزارشات کے ساتھ میں جامعہ المرکز الاسلامی بنوں اور برادرم مولانا سید نصیب علی شاہ الہاشمی کی اس وقیع کاوش پر مسرت و اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے انہیں مسلسل پیش رفت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اوراس محنت کی کامیابی، قبولیت اور ثمرات کے لئے بارگاہ ایزدی میں تہہ دل سے دعاگو ہوں۔

(آمین یارب العالمین)

"بشکریہ روزنامہ اسلام"

نوٹ: قارئین ہمیشہ اپنی آراء اور قیمتی مشوروں سے نوازیں۔(ادارہ)